Shankar Stertoor

Telegrams: "ASHIRVAD"   Telephones: 72048 Srin. 47385 Jamu

SUPER-SELF WAYFARER'S BROTHERHOOD
FOR
SELF-RECOGNITION THROUGH NON-MEDITATIONAL MEDITATION

کشمیر کے شیومت کے ایک قلندر

آچاریہ اُتپل دیو کے مجموعہ کلام "ستوتراولی"

کے ایک باب

سنگرہ ستوتر

کا

آزادانہ ترجمہ

از

ایک آوارہ مجنوں

"بابا بھائی جی"

(بی این کول ناظر)

شری رام گوبند شیو آشرم فتح کدل ڈُلیپورہ سری نگر کشمیر

فرمائش :- لالہ ہربنس لال، بی ٹی، ۶۲، ویسٹ پٹیل نگر، دلی۔ ۱۲، شری کرشن ور ریسٹر مجیہ
الیکٹرک۔ این، ایچ۔ پی، سی، اودھمپور، ۳، جناب غلام قادر کینگ، کنزرویٹر جنگلات سرینگر

پسند :- شری پی، این، پنڈتا۔ کنزرویٹر
جنگلات۔ جموں

معاون :- شری اوتکر ناتھ بھو، اکونٹنٹ جنرل دفتر۔ جموں

کتابت :- علی محمد پنڈت، عبدالرشید جبار ازا۔

تشکیل و ترتیب :- شری ترلوکی ناتھ کول، اسسٹنٹ انجینئر ہمدوال جموں
شری روپ ناتھ رینہ، سونہ وار سرینگر

تاریخ تخلیق :- ۲۴ فروری، ۱۹۸۷ء

پبلشر :- شری روپ ناتھ رینہ سونہ وار، سرینگر

فرمائش :۔ لالہ ہربنس لال، بی ٹی ۶۲، ویسٹ پٹیل نگر، دہلی ۸، شری کرشن ور کیسر مجبہ الیکٹرک ۔ این، ایچ ۔ پی، سی، اودھمپور ۱۴، جناب غلام قادر کینگ، کنزرویٹر جنگلات سرینگر

پسند :۔ شری پی، این، پنڈتا۔ کنزرویٹر جنگلات۔ جموں

معاون :۔ شری پشکر ناتھ بھٹ، اکونٹنٹ جنرل دفتر۔ جموں

کتابت :۔ علی محمد پنڈت، عبدالرشید جہارازا۔

تشکیل و ترتیب :۔ شری ترلوکی ناتھ کول، اسسٹنٹ انجینئر ستوالی جموں
شری روپ ناتھ رینہ، سونہ وار سرینگر

تاریخ تخلیق :۔ ۲۴ فروری، ۱۹۸۷ء

پبلشر :۔ شری روپ ناتھ رینہ سونہ وار، سرینگر

ایک حقیر نذرانہ

پیش خدمت

پروفیسر پران ناتھ در (ڈھس)

و انکی اہلیہ محترمہ

شریمتی شیلا کول در (ڈھس)

جنھوں نے

میری خاطر تواضع میں آج تک نہ کوئی کسر چھوڑی نہ چھوڑ

رہے ہیں

تعارف

آج شِوراتری ہے۔ کشمیری پنڈت اس تیوہار کو تقریباً تین ہزار قبل مسیح سے مناتے آرہے ہیں۔ یوں تو ان کے بہت سارے تیوہار ہیں۔ مگر یہ اُتسو سب سے زیادہ مقدس اور متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ کشمیر کے شیومت کے ساتھ بہت سی مذہبی کہانیاں وابستہ ہیں۔ اتہاس میں ایک دلچسپ داستان ہے۔ کہتے ہیں کہ کشمیر آریوں کے ہندوستان میں قدم جمانے سے پہلے ہی شیومت کا گہوارہ رہا ہے۔ برزہوم اور ہراپا کی کھدائی میں جو آثار قدیمہ کے نمونہ جات ملے ہیں۔ ان سے یہ حقیقت عیاں ہو چکی ہے۔ اب رہا سوال اس زمانے میں کشمیر اور سندھ کے درمیان باہمی کلچرل میل ملاپ کا۔ تاریخ اگرچہ اس ضمن میں

خاموش ہے مگر دیگر کافی ساری ہوا کے بنا پر یہ بات اخذ ہوتی ہے
قدیم وقتوں میں ناگ ذات کے لوگ کشمیر میں آباد تھے جو ہو منا
چشموں اور جھیلوں کے ارد گرد بود و باش کرتے تھے۔ سونت کہ
مؤرخ ان کو دیوؤں اور راکھشوں کے ناموں سے تعبیر کرتا ہے
گرمی کے موسم میں آریہ لوگ بغرض سیر و سیاحت ہندوستان سے
کشمیر میں وارد ہوتے تھے اور مقامی باشندوں کے ساتھ ان کی
کافی جھڑپیں ہوا کرتی تھیں۔ موسم سرما میں شدت کی سردی کے کارن
آریہ لوگ واپس ہندوستان لوٹ جایا کرتے تھے۔ اور اگر کوئی تھکا
ماندہ رہ جاتا تو ناگ لوگ اس کو مار ڈالا کرتے تھے۔ بہت عرصہ
تک آریوں اور مقامی باشندوں کی آپس میں لڑائیاں ہوتی رہیں۔
آخر کار ناگوں کے ایک سردار نامی نیلہ ناگ ان دونوں فرقوں میں
صلح کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ نیلہ مت پوران غالباً اسی
صلحنامہ کی ایک دستاویز ہے۔ اس دستاویز کی شرائط پوری
کرنے کے کارن ہی آریہ لوگ یہاں پر مستقل طور رہائش کر سکے
اس میں دی گئی ہدایات سے ہر ایک آریہ پر بھگوان شیو کی پوجا

اور مقامی باشندوں کو خیرات اور صدقات دئے جانے لازمی
قرار دئے گئے۔

گنگا دھرہ، کھیچڑی اماوسی۔ بیچھ چھتر وشی وغیرہ ایسی
رسموں کی مریادا برابر آج تک چلی آرہی ہے۔ آریہ لوگ یہاں پر
مستقل طور پر قیام پزیر ہوئے۔ آبادی دن بدن بڑھنے کے
باعث دیہات اور قصبات وجود میں آ گئے۔ آریہ لوگ بھگوان
رُودر کی پرستش کرتے تھے۔ اور غیر آریہ لوگ بھگوان شو کو مانتے
تھے۔ کچھ دیر باہمی تمدنی میل جول سے عام لوگوں نے "شو جیشٹھ رُودر"
کی پوجا شروع کی۔ کہاوت ہے کہ شری رامچندر جی اور لچھمن جی
بھی کشمیر ہو آئے ہیں۔ انہوں نے یہاں پر موضع تیرورونی میں
ایک مندر شو کی پوجا کے لئے تعمیر کروایا تھا۔ راجہ للتادتیہ کے عہد
حکومت میں اسی جگہ پر کھدائی کے دوران اس مندر کے کھنڈرات
برآمد ہوئے تھے۔ اس کے آہنی دروازہ پر لکھا تھا کہ یہ مندر
شری رامچندر جی نے بنوایا تھا۔ موضع اوما میں رام لچھمن اور سیتا کنڈ
نام کے تین چشمے بھی انہی کے نام سے منسوب ہیں۔ مہرشی وسشٹھ

نے کشمیر میں رہ کر بہت دیر تپسیا کی ۔ وہ نارائن ناگ کے نیچے بونہ شیبر علاقہ کے پاس وششٹ آشرم میں شمبھو جیشٹھ رودر کی پوجا کرتے رہے ہیں ۔ اس آشرم اور لنگ کے نشانات تا حال موجود ہیں ۔

کہتے ہیں شری کرشن جی بھی کشمیر پدھارے ہیں ۔ رانی یشومتی بیوہ راجہ دامودران کے ہی تخت کی جانشین قرار دی گئی کئی ارکین سلطنت نے جب اس پر اعتراض کیا ، کہتے ہیں شری کرشن جی نے ان کو نیلمت پوران کا ایک شلوک یعنی "کشمیر پاروتی جی کا گھر ہے ۔ اور پاروتی جی بھگوان شو کی ہی ایک انگ ہے" کہکر خاموش کیا تھا ۔

پانڈو بھی جلاوطنی کے دوران ، کہا جاتا ہے کشمیر میں رہ چکے ہیں ۔ ان کے ہی ایک خاندان نے بقول کلہن یہاں تقریباً ایک ہزار سال حکومت کی ہے ۔ شنکر آچاریہ مندر ، وجیشوری مندر بیجبہاڑہ ۔ مارتنڈ شور کا مندر بمقام مٹن کھریو ان کے ہی دور حکومت کی یادگاریں بتائی جاتی ہیں ۔

مہابھارت یدھ کے کچھ دیر بعد یہاں پنچ راتر اور ویبھوا دھرم ہوا۔ اس واد کا تعلق شری کرشن جی اور اس کے چار بیٹوں سنکرشن، واسودیو، پردیومن اور سامبھ جی کی پرستش سے تھا۔ یہ بالترتیب روہنی، دیوکی، رکمنی اور جامبھادیوی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے لوگ اس بات کی طرف زیادہ دیر راغب نہ رہ سکے۔ پھر بدھ مت کا دور شروع ہوا۔ اس نے یہاں کافی زور پکڑا۔ یہ مت کشمیر کا بہت ہی مرغوب مت رہا ہے۔

یہاں کے آچاریوں نے اس خیال کو فلسفیانہ رنگ و روپ دیکر خوب چمکایا۔ ہینیان اور مہایان کی ودیا انہی کی طرز تحقیق، تعلیم، تربیت اور ترتیب کا نتیجہ ہے۔ کمار جیو، اشو گھوش، ناگارجن، آریہ دیو اس تہذیب کے چار درخشاں ستارے مانے جاتے ہیں۔

ذہنی ارتقا کے ساتھ ساتھ نفسیاتی نظریوں میں بھی تبدیلی آگئی اور مختلف مذاہب کا وجود ہوا۔ کشمیر نے سب کو کچھ عرصہ اپنا کر ان کے اچھے خیال اور بلند اصول اپنے شیومت

میں جذب کر لئے۔ غرضیکہ شیومت کشمیر میں کئی ارتقائی دوروں سے گذر کر اس دیش میں پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ اور تریکا اسی کی آخری جھلک ہے۔ یہ فلسفہ اپنی نوعیت کا ایک نرالا فلسفہ ہے۔ قدرت انسان اور دنیا کی آپسی گتھی اور کشمکش کو شانت کرنے کا آسان طریقہ ہے۔ یہ ہماری ایک گراں قدر میراث ہے۔ جس پر ہم کشمیری بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں

اس تصورِ توحید کا احساس سب سے پہلے واسوگپت آچاریہ کو ہوا۔ اُس نے اس کیفیتِ حیات کو ستتر (۷۷) سوتروں میں بیان کیا۔ جو شِو سوتر کتاب کی شکل میں چھپ چکے ہیں۔ یہ سوتر واسوگپت کے ذہنی معراج کی تعبیر ہے۔ اس کی اشاعت واسوگپت کے شاگرد بھٹ کلٹ کی سپند کاریکا اور قسمترا نند جتیامتی اس کی اہم تصنیفات ہیں۔ اس کے چند ہی وقت سوما نند نے اس نظریہ کو منطق، تصوف اور دلائل سے آراستہ کیا۔ شِودرشٹی اس کے روحانی تجربات کی یادگار ہے۔

اس تہذیب و تمدن کے سنہری دور کا زمانہ نویں صدی سے

چودھویں صدی تک رہا۔ اُتپل دیو، رام کنٹھ۔ ابھی نوگپت، کھیم راج اور بھاسکر آچاریہ اسی دور کی ممتاز ہستیاں ہیں۔ انہوں نے اس فلاسفی کے مختلف پہلوؤں پر تفسیر کے ساتھ روشنی ڈالی۔ ابھی نوگپت کو ان میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ انہوں نے تریکا کو عام فہم اور مقبول بنانے میں ایک ہمہ گیر کوشش کی۔ اس نے اس کے ہر ایک پہلو پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور اس کو ایک مربوط شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ بارہ جلدوں پر مشتمل تنترا لوک کی کتاب ان کے ہی ذوقِ تحقیق کا ایک زندہ جاوید نمونہ ہے۔ اسی دور کی آخری عظمت شری للیشوری اور شیخ نور الدین ولی و دیگر صوفی حضرات ہیں ان کے شلوک اور واکیہ آج کل بھی ہر ایک کشمیری کے ورد زبان ہیں۔ کشمیر کی ان روشن ضمیر، حقیقت شناس اور مایہ ناز ہستیوں کو اس فلسفہ کا بہت گہرا مطالعہ ہے۔ انہوں نے خود سب روحانی منزلیں طے کر لی تھیں اور اس خیال کو کشمیری شعروں کے سانچے میں ایک حسین انداز میں ڈال کر پیش کیا۔ ان کے ان شعری گوہر پاروں کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

ہمارا یہ قومی فلسفہ مذہب کی پابندیوں سے بالاتر ہے۔ کوئی بھی انسان بلا امتیاز قوم و مذہب و رنگ و ملت اس سے فیضیاب ہو کر تسکین قلب حاصل کر سکتا ہے۔ اس کا بنیادی عقیدہ وحدانیت کا ہے دنیا ایک خیال و وہم نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ اصلی حقیقت کا سروپ ہے۔ حقیقت کے علاحدہ علاحدہ رنگ ہوتے ہوئے بھی اس کا کوئی رنگ نہیں۔ وہ شیو ہے اور وہ وجود کی خاصیت خودی ہے۔ وجود اور خودی ہستی کے دو پہلو ہیں جیسے ایک مشعل اور اس کی روشنی۔ پانی اور اسکی تراوت علاحدہ نہیں کی جا سکتی۔

اسی طرح وجود اور خودی آپس میں ایک ہیں الگ نہیں۔ وجود ہی خودی ہے اور خودی ہی وجود ہے اور ایک دوسرے کے بغیر بے معنی ہیں۔ شیو بھی شکتی کے بغیر شکتیمان نہیں اور شکتی شیو کے بغیر بے کار ہے۔

شیو اور پاروتی وجود اور خودی کا ہی تصور ہے۔ ایک باریک اصول کو عام فہم زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے ترک مت کے الوہار شکتی یا قوت کو محتشم قرار دیا گیا ہے کیونکہ

مونش ذات قدرت کی افزائش کا ذریعہ ہے۔ شو بھی شکتیوں کے
دوارا ہی اپنے رنگ و روپ کا اُبھار ۳۶ عناصر والی کائنات میں
لاتا ہے۔

شو شکتی سمیوگ کے معنی احساس خود شناسی ہے خود
شناسی حیات کی اصلی منزل ہے۔ ہر ایک انسان کو یہی منزل مقصود
ہے۔ یہ کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ مادی دنیا کو ترک کرنے سے
نہیں۔ زندگی اور اس کی تلخ حقیقتوں سے فرار چاہنے سے نہیں۔ روح
کو مادیت کے جنجال سے آزاد کر لینے سے نہیں بلکہ صحیح علم سے
یعنی واقفیت اور ماہیت سے۔ کہ بھوگ کرتے ہوئے بھی
دُنیاوی عیش و عشرت میں ڈوب کر بھی اس سے بالکل الگ تھلگ
رہنے سے یہ ایک گہرا خیال ہے۔ اس کی نزاکتوں اور باریکیوں کو
سمجھانے کیلئے مدلل بحث کی ضرورت ہے، جو کسی اور صحبت میں
کی جائے گی۔ اس وقت میں صرف بہ مثال نمونہ ابھنو اچاریہ کے
خیالات اور تصورات کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ آپ کے تصور کے
لئے اس تصوف کے رنگ و روپ، اس باریک خیال کی باریکی

اور اسکی شگفتگی اور پختگی۔

اُتپل آچاریہ کشمیر کے شیومت کے کہکشاں پر درخشندہ ستارے کی مانند روشن اور تابناک ہیں۔ ان کی ابتدائی زندگی کے بارے میں معلومات صرف اس بات تک محدود ہیں کہ وہ ایک کشمیری براہمن اُدیاکر کے گھر پیدا ہوئے تھے۔ جو کال شری پورہ" موجودہ کلاشیپورہ کے پاس سکونت پذیر تھے۔

کلہن کی "راج ترنگنی" و دیگر مستند دستاویزات کی رو سے اُتپل آچاریہ کی ادبی و روحانی سرگرمی ۹۰۰ سے ۹۵۰ بعد مسیح کے درمیانی وقفہ میں اپنے عروج پر تھی۔ یہاں پر اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اُتپل آچاریہ اور ان کے ہم نام اُتپل ویشنو دو الگ الگ شخصیتیں گزری ہیں۔ موخرالذکر جو اپنی تصنیف "سپند پرادیپکا" کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ۱۰ صدی عیسوی کے آخری دور میں گزرے ہیں۔

اُتپل آچاریہ نہ صرف روشن دماغ صوفی تھے بلکہ ایک بلند پایہ مفکر اور شاعر بھی تھے۔ وہ کشمیر شیوازم کے "پرتیا بھگیا" سکول کے حامی تھے اور اس فلسفہ فکر کے بانی سومانند سے بھی

ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ان کی دو تصانیف "ایشور پرتی بھیگنا کا(ریکا)"
اور "شیو ستوتر اولی" شیومت کے فلسفہ، فکر اور ادب میں اہم اضافہ کی
حیثیت رکھتی ہیں اور بطور سند تسلیم کی جاتی ہیں۔ ان دونوں تصانیف
کی وجہ سے اُتپل آچاریہ کا مرتبہ ایک بلند پایہ مفکر اور دانشور کی
حیثیت سے کافی اونچا مانا گیا ہے۔

اُتپل آچاریہ اپنے دور کے واحد اور ممتاز ادیب ہیں جنہوں
نے سنسکرت منطق اور اوزال پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی تصنیف
"ایشور پرتی بھیگنا کاریکا" جو منطق کی نہایت باریک رمزوں کے
بارہ میں ایک گرانقدر دستاویز ہے۔ اس قدر مفصل معنی خیز اور واضح
ہے کہ مستند شیو صوفی سالہا سال کے حصول علم و عمل کے بغیر
سمجھنا محال ہے۔

ان کی ایک اور تصنیف "شیو ستوتر اولی" کافی مقبول ہے۔ یہ
بیس چھوٹی چھوٹی دعا بند نظموں پر مشتمل ہے۔ شیومت کے اور سنسکرت
ادب میں ستوتر اور ستوک (نعتیہ اور سانیٹ) کی صف میں یہ نظمیں
اپنی مثال آپ ہیں۔ ایک روایت کے مطابق جب اُتپل آچاریہ

قفس کی دیواروں کو پھاند کر وحشتوں کی آزاد سرسراہٹ میں بے حال
ہو جاتے تھے تو مسرت اور انبساط میں جھوم جھوم کر یہ گیت گانے
لگتے تھے اور ان کے شاگرد ان کو قلمبند کر کے محفوظ ہوا کرتے
تھے اور ساتھ ہی ان کو محفوظ کرتے جاتے تھے۔ ان گیتوں میں
انہوں نے اپنے روحانی دم قدم کی کیفیتیں اپنی قلبی واردات اور اپنے
جذبات واحساسات کی گرہیں کھول لی ہیں جو ذوقی وجدان کی کیفیت
میں ان پر طاری ہوتی تھیں۔ ایک ایک شعر زندگی کے ایک ایک
موڑ، ایک ایک راز، ایک ایک منزل کی کیفیت عیاں کر دیتا ہے
ان ہی میں سے ایک ستوتر جو "سنگر ستوتر" کے نام سے مشہور ہے
کا ترجمہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔

"شروس توتراولی" کی تمام نظموں میں سے اس ستوتر کی نظمیں
زیادہ مقبول اور زیادہ دلپذیر ہیں۔ یہ نظموں کا گلدستہ اس روحانی پیشوا
کی کاوشوں، تشنگیوں، آنسوؤں، اپنے درد دل کی تڑپ اور الجھنوں
کی سوغات ہے۔ اور اپنے رنگ میں خوب ہیں۔ یہ ستوتر ۲ ٹکڑوں
کا ایک بیش قیمت صوفیانہ مضمون ہے اور ہر ایک ٹکڑا سلسلہ وار مختلف

رموزِ فطرت و ہستی کی حقیقتوں کا انکشاف کرتا ہے۔ تجیں تصوف کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہے جس کو انتہائی اچاریہ نے خود ہی ترتیب و تشکیل دیکر ساری "ستوترادلی" کا نچوڑ کہکر خود ہی اس کو "معگرہ ستوتر" کے نام سے منسوب کیا ہے۔

یہاں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ سنسکرت میں اظہار کئے گئے تاہم تصوف کے مفہوم کو پوری صحت کے ساتھ اردو کے سلیس پیرایہ میں منتقل کرنا بہت ہی دماغ سوزی کا کام ہے۔ کہیں بھی پس پیش ہوئی تو مطلب بگڑ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ میں نے اس بات کا خیال ضرور رکھا ہے کہ کوئی روحانی کیفیت یا مقام ہستی نذر انداز نہ ہونے پائے۔ وضع اگر کہیں کہیں ٹوٹ بھی گئی ہے مگر مضمون کو برقرار رکھنے کی بہت ہی کوشش کی ہے پھر بھی مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ کمال احتیاط برتنے کے باوجود بھی کئی اسرارات سنگنات و احساسات کا اچھی طرح جائزہ نہ لے سکا ہوں جیسے واسطے معافی کا خواستگار ہوں۔ قصور میرا ہوگا۔ میرے مُرشد کامل کا نہیں۔

ترجمہ میں وہ روانی اور وہ ساختگی بھی نہ آسکی جو اسمیں ہونی چاہیئے تھی۔ قافیہ اور ردیف کا فقدان اس کا باعث ہے اور اسی کی وجہ سے اس میں وہ ترنم، وہ موسیقی اور وہ سوز نہ آسکا جو کہ اصل میں ہے۔ ہاں یہاں یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ یہ ترجمہ لفظی پابندی سے آزاد ہے۔ صرف اصلی مفہوم کو حقیقی رنگ میں پیش کرنے کی کوشش ہے۔

ان پہلوؤں کی باریکی۔ روحانی حیثیت اور پہلو کو سمجھنے کی کوشش میں نے اپنے قابل تعظیم رہبر اور رہنما سوامی گوبند کول صاحب جلالی سے کی ہے اور ان کی زبانی تفسیر سے پورا پورا استفادہ حاصل کیا ہے۔ سوامی جی بڑا باکمال یوگی صاحب نظر و عمل تھے۔ مجھے ان کے دامن کی گرمائش میں کمال شفقت اور محبت سے پنپنے اور پھولنے کا فخر حاصل رہا ہے۔ پورے دس سال مسلسل صبح و شام۔ اور میں ان کی مقدس یاد میں اس سے بہتر کوئی اور نذرانہ پیش نہیں کر سکتا کہ ان جیسے عالی مرتبت، مفکر اور مصروف یوگی کے خیالات لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کروں۔ یہ میرے

لئے خوش بختی کی دلیل ہوگی کہ اگر میں قارئین اور ناظرین کے ذہنوں
کے اندر اس روحانی علم کے رموز اور ریاضت میں دلچسپی پیدا کر سکوں۔

اس ترجمہ کی تشکیل میں میرے کئی دوستوں نے میرا ہاتھ بٹایا
ہے۔ ان میں دیرینہ رفیق اور مخلص ہم نشین اے جی دفتر کے
پوشکر ناتھ ریکو، کشمیری پنڈت سبھا (رجسٹرڈ) جموں کے شری بی این
نجان نثار بے حد شکر گزار ہوں۔ میں نے ان کی ادبی صلاحیتوں اور فنی
جانکاریوں سے پورا پورا استفادہ حاصل کیا ہے۔

بے حد
میں شریمتی شیلا کول (ریاضی) و شریمتی لبھوبی بسنتی کول (ناظر)
کا خصوصی طور پر مشکور ہوں۔ انہیں جو کچھ بھی اپنی والدہ محترمہ شریمتی
سنی دیوی و لبھوبی المعروف سانپہ کجی داس سے منقولہ جائداد
کی صورت میں ورثہ میں ملا تھا طلبگاران امداد کی رفاقت کیلئے
وقف کر کے میرے سپرد کیا۔ حالانکہ یہ رقم کچھ زیادہ نہ تھی مگر
میرے بے شمار ہمدرد رفیق تابع مقدور وقتاً فوقتاً اس میں اضافہ
کرتے رہے اور آج تک کوئی [illegible] دو لاکھ روپے سے دست پوشی
کی گئی ہے۔ لڑکیوں کی شادیوں پر۔ علاج۔ پڑھائی۔ ماتمی لوازمات

بہر نہایت حقیقیہ طور پر بغیر کسی رسید کے باحساب کے یہ امداد فراہم ہوتی رہی ہے اور امید ہے کہ یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا۔ دست بہ دعا ہوں تو زندگی ہے کہ یہ خدمت فی المقدور ان ہی ذرائع سے آخری دم تک کرنے کی ہمت رکھے اور توفیق بخشے۔ اسی اصول کے تحت اس پمفلٹ کی قیمت آپکے دکھوں کی سوگہات ہے وہ ہمیں بخش دیں اور ناشر سے کتاب منگوا لیجئے۔ جتنی چاہیں دی جائینگی۔ اور آخر میں یہ پمفلٹ یعنی کتابچہ ان کے نذر کرنا باعث افتخار سمجھتا ہوں۔ جن کے مجھ پر شخصیت کے اعتبار سے بہت سے احسانات اور جو اس وقت میرے ساتھ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔

اپنے والد بزرگوار پروفیسر جیا لال کول ناظر
اپنی والدہ بزرگوار شریمتی سنگر دیدی کوچہ مالی
اپنے عزیز ہمسفر آچاریہ پنڈت جگن ناتھ بٹ سابقہ صدر کشمیری پنڈت سبھا جموں اور اپنی دختران کماری رینا کول و ڈاکٹر رنجنا کول۔ جو کچھ بھی میرے ذاتی تجربہ میں آج تک

آیا ہے پیش کرنیکی کوشش کی ہے۔ یہی میرا مشاہدہ ہے۔
ٹھیک ہے یا غلط ہے جو کچھ بھی ہے یہی ہے۔ آپکی ذاتی
رائے کا جو کچھ بھی ہو بُری یا بھلی منتظر ہوں۔ بے روک لکھ
دیجئے۔ ممنون رہوں گا۔

شکریہ

آپ کا

بابا بھائی جی

(پی۔ این۔ کول۔ ناظرؔ)

شرح

۱

پرواز کرتا ہوں جب، عرفاں کی وسعتوں میں
اور پھلانگتا ہوں، کون و مکاں کی حدود کو
تو نہاتا ہوں ابدی نور کی پھواروں میں
مسرت آ کے قدم چوم لیتی ہے انبساط لیتی ہے بانہوں میں تھام
مگر پھر سے جب قید کر لیتی ہے جسدِ خاکی کی فصیل
تو جاگ اٹھتی ہے، درد کی قندیل
دکھ کی لہریں گھیر لیتی ہیں اٹھ اٹھ کے یہ حکایت ہے
میرے سکھ کی! میرے دکھ کی!

۲

گھیر لیتی ہیں حدیں ہر طرف روک لیتی ہیں تیرے پاس آنے نہیں دیتیں
میری تنہائی قربت نہیں پا سکتی تیری تنہائی کی اس اکائی کی
میری وحدت میں تیری وحدت میں نہیں ہوتی ضم ان فیصلوں کو گرا دو
اب مٹا دو

ان حدوں کو اگر دیکھے دو بجھے
اپنے اندر کا تخم ! اپنے باہر کا حرم !

(۳)

کائنات تم ہو   تم سے ہے کائنات میں دم
کون و مکاں سے پرے   تمہاری جاگیر   کہ وقت کی زنجیر لامعنی،
میں تجھ میں ہوں   تیری کائنات میں ہوں
لیکن اسی مشعل فروزاں سے بے خبر
بخش دیتی ہے جو مجھے گرمی جاوید، اس گرمی جاوید کو پالیا ہوں اگر
تو زندگی موت یا اس سے بھی پرے کیا ہے؟
کیسے ہوتی پروا   کیوں پریشان ہوتا۔

(۴)

ابدی نور کی چادر ہوں میں   حسن کی تعبیر بھی ہوں میں
عشق کی تفسیر بھی ہوں میں

تجھ سے ہی ہیں روشن در و بام
وقت کی رفتار اور یہ صبح و شام

کہ کائنات کے رنگ، شعور کی ترنگ
خلا قدرت کا جمال یہ بھی میں ہی ہوں باوقار
مگر
تیرا کرم! فقط تیرا کرم!
ورنہ
میں کچھ بھی نہ تھا کچھ بھی نہ ہوں۔

(۵)

دوئی تجھ میں میں دوئی میں لامحدود
نیر میرے معبود! بخش دے وہ وقار وہ قرار
بھر دے کائنات
میرے اندر
اور ہونے دو مدغم
مجھے تم میں تمہیں مجھ میں میرے صنم

(۶)

دے دوام میری حقیقت کو، میری عبادت کو،

کہ ڈوب جاتا ہوں ماحب

اپنے اندر میں کہیں دور بہت دور

تھام لے ہاتھ اور لے چل مجھ کو

لامکاں کی طرف اور عرفان کی طرف

اور، پھر دے بقا، میری عبادت کو میری پرستش کو،

(۷)

جاگ اٹھی میرے اندر کی تنہائی

میری وحدت کی اکائی جاگی، کچھ پریشان خیالوں

المناک حقائق کے طفیل

تب عبادت کی سرا گونج اٹھی

اور بدن سونپ دیا تم کو روح اور روح کی کائنات بھی دی

کچھ بھی نہ رکھا پس انداز

یہ عبادت تیرے قدموں پہ نچھاور ہونے کی ادا

دونوں راہیں ہیں الگ - پر الگ بھی تو نہیں - کہ
ایک لے جائے تیرے در تک - دوسری تیری بام پر

(۸)

اپنی عظمت کی پلا دے، اپنی رحمت کی شراب کہ جسے پی لونگا
اپنے احساس کے پیالوں سے، اپنے آوارہ خیالوں سے
اور مسرت جھوم اُٹھے
کھو جائے نور کے ساغر میں یہ وجود
ایسی مدہوش فضا، قائم کر دے
کہ مٹ جاؤں اور خبر بھی نہ لگے

(۹)

راہرو ہوں - تھام لو میرا ہاتھ
لے چلو وادیٔ سیراب کی طرف کہ جہاں
سائے تھرتھراتے ہیں، تو پیکر میں بدل جاتے ہیں
اور پیکر پگل، بن جاتے ہیں سیال
پھر وجود اُبھر آتے ہیں خیالوں کے - اور ڈھل جاتے ہیں

جیسے ذہن میں ڈھل جاتے ہیں خیال
گر یہی راہ ہے تو دکھا دے مجھکو، اور اسی راہ پر چلا دے مجھکو

(۱۰)

میں نے مانگا بھی نہیں اور تم نے بخش بھی دیا
احساس۔ میرے وجود کے ذرے ذرے کا
تخیل میرے شعور کی قدرت کا۔ مگر
میرے محبوب! یہ کیا کہ چھپایا اپنی ذات کو
میری نظروں سے۔ کس گناہ کی سزا میرے محبوب؟ کہ
ہم کلامی کا شرف بھی پایا نہیں، نور نہیں۔ مسرت بھی پائی نہیں!

(۱۱)

رقص کیا میں نے، اُس نغمے کی لے پر
تم نے جو سنا دیا۔ اور میں سنتا رہا
پھر یہ بجلی
کس خطا کی پاداش؟ کس گناہ کی سزا؟
اب نہ نغمہ، نہ نگاہ۔ نہ کرم

(۱۳)

بھرے ہیں کائنات کے ذرے ذرے میں
رنگ و بو کے آبشار، زندگی کی بہار - حرکت -
یہ قوت، یہ ادا - اے جل جلال!
پیکر یہ نرم و نازک - ٹھوس اور سنگین
خود ہی دست طلب، خود ہی نگاہ کرم
بخش دے مجھ کو میرا جلوۂ رنگین
کہ جہاں میں ہوں، میری حرکت سے - میرا پیکر ہے

---

(۱۴)

یہ میرا ٹھوس وجود اور میری عقل کہ میں
گزر جاؤں کون و مکاں سے پرے اپنے وجود کی سرحدوں سے پرے
اور کھو جاؤں اور پھیل جاؤں
لامحدودیت کے سمندر میں
اسقدر کہ پی سکوں اس حقیقت کی مئے ناب
جو کہ تھی اب بھی ہے
اور جو ہوگی

(١٤)

احساس نے تخیّل نے نگاہ نے
تجھے پہچان لیا
میرے معبودؔ ! میرے آقا !
ذرّے ذرّے میں رقصاں
حسن بھی توُ ، عشق بھی توُ
روح کی بالیدگی بھی توُ
ہر پیکر تمہارا ہر تصویر تمہاری
ادُر تیرا سودائی وصل کی تمنّا میں
کائنات سے مفرور ہو نہیں سکتا
کائنات میں مدغم وہ ہے توُ ہے

(١٥)

کائنات اس قرطاس پہ پھیلے ہوئے رنگ
یہ حسن کی تفسیر ۔ میرے شعور کی جاگیر
بنتے ہیں ۔ بن کے مٹے جاتے ہیں
حسن نہاں چھلک پڑتا ہے ۔ بن جاتا ہے کائنات کا ذرّہ ذرّہ

۔ تب نظر آتا ہے، وہی اندر ۔ وہی باہر بھی
میرے شعور کی بالیدگی ۔۔ اور یہ ہیں

---

(۱۶)

کوئی روک نہیں ۔ کوئی دھند کے پردے نہیں رہتے
نگاہ رکتی نہیں ، گزر جاتی ہے
جب تخیل سے پرے ۔ کوئی آوارہ خیال
تم سے مِل جاتا ہے ۔ مِٹ جاتا ہے
اور پھر اُبھر آتا ہے ، تیری حشمت کا جلال
میری وحدت کا کمال
میں ہی ہوتا ہوں ، مگر میں بھی نہیں ہوتا
اور نہ رہتا ہے کوئی خوف و ملال

---

(۱۷)

تجھ سے مانگوں گا وہ زہرِ آب اور پی جاؤں گا
آب قلزم اِس سے بہتر کیا ہوگا؟
آب قلزم جو نہ تو ہے ۔ جو نہ تیرا ہوگا

کیسے پی لوں گا اُسے؟ مر جاؤں گا
دے مجھے زہرِ آب اپنا، تو جی جاؤں گا

جھاگ بن بن کے ابھر آتا ہے
چھلک جاتا ہے
ایک دعا، ایک عبادت کی صدا
میرے لب نغمہ سرا ہوتے ہیں سب بے اختیار
یہ قدرت، وحدت کی یہ مشعل
میرے جسد کی گرمی کا غبار
اسے اپنی عظمت کا جلال دکھا دے
اپنے نغمے کی صدا سمجھا دے   میرے معبود! مجھے
کچھ تو نہیں   فقط اک دعا ہی بنا دے۔

(۱۹)

کیسے سمجھوں گا — کیسے پہچانوں گا۔
تیری صورت کے ہزاروں جلوے۔
تیرے جلووں کی ہزاروں عادات
کیسے پہچانوں گا میں، تیرے انوار کے رنگ
دے دیا مجھکو تخیل، مگر کچھ اور بھی دے
اپنی وحدت کا کوئی ظہور بھی دے

(۲۰)

نیند میں جیسے ساگر - جاگتے سپنوں کی طرح

ایک خلا کی مانند

ایک حرکت - ایک قوت اور کچھ بھی نہیں

تیری تصویر کے رنگ کوئی مستی بھری لہری

کوئی تخیل ٹھہرا

یہ تو تم ہو - کیفیت و مستی ،

رنگ و بو

نغمہ و ترنگ ،

انہی اجزا کو کشیدہ کر لے

اور پلا دے یہ کشید

اور میرا دامن بھر دے ۔

تتمہ شد

بابا بھائی جی

"آوارہ مجنوں"

بی این کول ناظر

ایک خیال

دُور بہت دُور
تمہارے سراب کی پہاڑیوں سے دُور
تمہارے دُکھ کی دیواروں سے بھی دُور
رہتا ہے ایک ہجوم تنہا اور خالی لوگوں کا
جو دیتے ہیں دِل سے اور لیتے ہیں ذہن سے
وہ تنہا خالی خالی لوگ
رہتے ہیں خاموش
تم اگر پہچان سیکھ سکو گے
اِن خاکوں کے چھوٹے سے ہجوم کو تو
تم بھی تیر سکتے ہو
ہموار ذہنوں کے اس بادل پر
مگر یاد رہے [illegible]

یہ دروازہ کھُلے گا صرف اندر کی سمت
اسلئے اپنی آنکھیں بند کرکے تلاش مت کرو
رات کے وقت
اور نہ زندہ رہو نفرت لیئے دل میں
اور سیکھو کہ کچھ وابستگی سے لئے بغیر
کچھ دیا کیسے جا سکتا ہے
چاک کردو اپنے ہی بنائے ہوئے
پردے — خود غرضی کے
شاید ایک دن اس طرح
روشنی ہوگی!
اور تم دیکھ سکو گے
اس زمین کو جو دوزخ ہے بہشت ورنہ!

سنگرہ ستوتر کے شلوک اردو لپی میں

(1)

گرہین سکھہ دکھہ لکھشنم — مام پرتی تم ادم شرتو پرچھو

سرو گیتم ایشہ بھوتا سما گرہہ — سواتمنا وِراہ آیوہ دکھتا

(2)

انتر پینہ ترام اتی ہیتی — یا توت پرتھن کال کامی تھے

تام اپیش پر سرچینہ سروتہ — سوم سودیم اسلیم پر کاشیہ

(3)

ناوکر ویش و شورز بھرے — جیت سدھار تھلے نرت

نشٹھہ بیت تم ارچتہ پرپنجم — جی ادم ارتم انھاریت انتو سے

(4)

الشور دیم ہام اور وپ دان — نپد لوش میہ بھگوا ستیہ، پرچرہ

منت تھو ستہ جگتیت، شتوب بھیہ — مانتا توت انورا گیتہ پرہم

(5)

دیو دیو بھوت ذریا مرتا کھیا — تت سم ہرن المبدھ جین متا

تت تھاس تھت پدارتھ تم ددا — سام گرو شو چہرنا نچہ چتم

(6)

درٚشنیا میٚنتے تہٕ انوورِ شیٚتئے تیٚنہ   ستٚشر شیٚتئے پچ پرٚ سیٚتورہ سوٚ ہیٚم
یٚشر پوٚشن مہوٗ آسۍ تواہ سکی سئے   سَرُو دا آستو مھونا الو بہاوتہٕ

(7)

یٚت ییٚچاس تیٚمت پدار تھہ درٚشنم   ییٚشمت ارچن مہوت سوٗشی جیہ
یٚلم ایٚیت انتر ےتیرا نمرٚ یٚم   ٹھکت تِشا لشو سدا وچ رم بھٚنیے

(8)

ہمت تیت اندری اکھن سنتم   یٚشمت ارچن رسا فی نا سوٗم
سَرو بہاو پچ شو کیشو لوٗ نیے   رشا پن اب ہٚجو یم انمدہ

(9)

انیہ ویٚدیم الوما ترم اعتسان   شو برکا شم اکھلم وچ رم بھٚنیے
یٚتر نانھہ جو تاہ پٚر یس تہٕ تھشم   تمت دکرد سدا تو ار ہٚجو

(10)

داس دا منہ وینو تیٚتو یٚہیم   سوے تھیٚو پر سیٚتو ر لو یا
درشیٚنن نہ بچم استہ پا تہٕ نہ   پادسم وہ بن گرہم ناپیہ وا

(11)

تکی یات یتھے وچار تھم   پلن چھم ایش ن کرد تش کریت
ادی یام پرت گم اتھ تیم   سو چھ کاشن دو دھو ولم بیہ

(12)

تنتر تتر وتھ پھرپھب تیتی   انتر سوچ پنے لغوی چھستم
توام جگت تیرتی پر بھرام سطا   لوک یے ی نیچ پاں پو چھتم

(13)

سوام سودھم ابھ کسند ھ ماتر تو   نیرو نیند چھم ادھ دو دھی مر د
سیام اپر سادیم آتر تا سوا   یاتے کل پر لسبد وھ تر دتی

(14)

یت سمت سوھ یگار تھمرن تیشو   تیپر تش ماتر ود ھا چنکر تم
تام سپرھگی رت تنبن ستے و پو   پو نیتی بل بھگت تتا لیہ

(15)

سفار یتی کلم اتھا سفر ن   در شوم امر شس ردیم امر شن
بنت سوگم نیر رتشن گھر نے   تت موت سپت بچاد منتد لم

(16)

یوٚد پٔیمہٕ ادٕم ارٕتھ پنٕنٕہ ظلم   پٔتھ نشٕ نکھلم بھوت دپوٕہ
سوانم پچھٕش پٔپٔہ پتٕہ زگت   نیتھ نرت سوگھنا گت تو نیم

(17)

کٔنٹھ گۆلن وینہ درشٹم الیتھ تے   کال گٔو ٹھم اَپ سے مہا تٕرم
اَپٕچ رٕپ پا تٕم اَرٕم بھوت دُلو   بھید ورت ایدِ دِپتھ ستھ ہے

(18)

توٗنت پٹلا پہ سے رٕکت گیت کاہ   نیتھ کیتھ وٕد نوپ تھوٗ بچھے
سیا اتھ اپ بھوت اَرچن کڑیا   پٔپے ستی پرٕنگی اشیاہ لدا

(19)

ای ہشم لٕن ہبت یار مٔیشٕوٕم   تبک یہ گن ہٕم ستھاچ ہے
دٕنتہ تھم اپ امرت نرہبم مدٕپوٕہ   سوٗم ناپاتھم الوٗن تیٕ تھا

(20)

نوٗم اگاٹم وچم ددٕیم   ستم سرٕو پم اکھلادہ کس کرم
اَدتھن تہ ہم اشٕن سرٕدا   یوٗبٕ جنیم اتھ تمس لودی تچ

واقفیت

نہ میں کوئی ادیب ہوں نہ عالم۔ نہ کوئی شاعر اور نہ ہی
کوئی فنکار۔ سماجی اعتبار سے بھی کسی خاص رتبہ کا مالک ہوں نہیں
ایک گمنام عام سرکاری ملازم ہوں اور ایک عام انسان کے طرح
راہروی کی حالت میں بھٹکتی پھرتا ہوں۔ اکیلا اور بے سہارا۔
پریشان ہوں تلاش ہے منزل کی۔ ایک رہبر کی۔ بہت قلندروں
کے دامن پکڑے کسی نے تھاما نہیں۔ بابا بھائی جی سے بھی
واقفیت تو ہے۔ کیسے ہوئی وہ بعد میں عرض کروں گا۔ میرے
بزرگ ہونے کے ناطے میں ان کا بہت احترام کرتا ہوں۔ میرے
پاس اکثر آتے ہیں۔ میں بھی بہت بار ان کی خدمت میں حاضر
ہوا ہوں اور اب بھی ہوتا ہوں مگر پھر بھی میں خود کو نہ ہی ان کے
دوستوں میں اور نہ ہی ان کے مقربین میں تصور کرتا ہوں کیونکہ جب بھی

اپنے واردات قلب کی بات۔ ان سے چھیڑنے کی کوشش کرتا ہوں
چونک کر جھٹ سے جواب ملتا ہے کہ انسان کو حقیقت جاننے
کے لئے کسی چیز یار ہبر کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی تو حقیقت
ہے مگر اس سے بے خبر ہے۔ بیہوش سا ہو گیا ہے ایک غلط
ماحول میں پڑ کر اور پل کر۔ اس کو اپنی اصلی انسانیت۔ اپنی اصلی
فطرت پھر پایا تو جب جائیگی جب وہ خود ہی ۔ خود۔ انفرادی
دائرہ سے نکلکر ساری کائنات کیساتھ خود کو ہمہ گیر۔ قریب خود ہم
آہنگ کریگا۔ اس کے لئے مروجہ مرشد۔ مرید رسم کی کوئی خاص وضع
نہیں۔ ادا نہیں۔ یہ ایک جذباتی عنصر ہے جس کی کوئی معنی یا حیثیت
نہیں ہے۔ بیکار اور بے کیفیت ہے۔ ایک کے لئے اکیلا دل
چاہئے۔ کسی ساز و سامان کے بغیر۔ حیثیت بے نیاز سے بھرپور
ایسی شخصیت سے جس میں غرور کا دخل نہ ہو۔ ہوش ہو۔ جو تنگ نہ ہو۔
جو ہر رنگ میں ڈوب کر بھی بے رنگ رہے۔ ایسی دل سے اس کائنات
میں کام کرنا چاہیئے۔ کسی انعام کی خاطر نہیں۔ بلکہ صرف کام کے خاطر
زندگی کو زندہ رکھنے کی خاطر۔ کیونکہ عشق حقیقی اور عشق مجازی دونوں

زندگی کے در پر ملتے ہیں ۔ زندگی کے باہر وہ بے معنی ہیں سب بے کار

ہیں ۔" ایسی جواب خوانی تو گفتگو میں چلتی رہتی ہے ۔ دل کو تھوڑی سی

بہت تسکین تو ملتی ہے ان کی موجودگی میں ۔ گھر جا کر پھر وہی دیرینہ

شکوک و شبہات گھیر لیتے ہیں ۔ خیر ابھی تک میری التجا بدستور جاری

ہے اور وہ بھی اپنی جواب پر ہیں ۔

یہاں بھائی جی سے واقفیت کا ایک اچانک قصہ ہے

ایک شام خبر ملی کہ میرے ایک دیرینہ دوست ایک خطرناک

حادثے کے شکار ہوئے ہیں ۔ کافی متفکر ہوا ۔ ٹیلیفون پر پتہ چلا

کہ سر پر چوٹ آئی ہے مگر خطرے سے باہر ہیں اور ہسپتال سے بید

کسی ناظر صاحب کے یہاں لے گئے ہیں کون ناظر صاحب معلوم نہ پڑ سکا تھا

اور زخمی حالت میں وہاں کیوں ۔ سوچ میں پڑا رہا ۔ اگلے دن پھر خیریت

کے واسطے جموں فون کیا ۔ پھر جواب ملا ناظر صاحب کے لے گئے ہوئے ہیں

آخر کون ہو سکتے ہیں وہ کہ میرے دوست ان کے یہاں بار بار جاتے ہیں

ایسی زخمی حالت میں ؟

کچھ عرصہ کے بعد کسی کام کی وجہ جموں جانا پڑا ۔ سیدھا

اپنے دوست کے گیا اور اُن کے ہاں ہی ٹھہرا۔ مُبارک باد دی۔ سُرخی
ٹپیاں اُتر چکی تھیں اور خوش و خرم ملے۔ ناظر صاحب کی بات میں
نے چھیڑ دی۔ جواب ملا میرے بزرگ ہیں۔ مجھے بہت پہلے خبردار
کیا تھا کہ کچھ دیر سفر نہ کریں اور بات نہ مانتے۔ سے یہ تکلیف اُٹھانا
پڑی۔ یہ سُنکر میرے دل میں شوق پیدا ہوا۔ چلو ان کے ہاں چلیں۔
دوست کہنے لگے۔ ان کا کہنا ہی تھا کہ میرے بدن میں عجیب
سی لہر دوڑ پڑی۔ کچھ دیر کے بعد ہی ان کے ہاں روانہ ہوئے۔ ان
کے مکان پر پہنچے۔ بڑی کوٹھی تھی سامنے کُھلا باغ اور چھوٹا سا
باغیچہ بھی۔ پھاٹک اور پھاٹک کا دروازہ کُھلا تھا اور چلے آئے
کمرا اعلیٰ سا تھا۔ تھوڑا سا فرنیچر سامان۔ کمرے کی فضا پُرسکون تھی۔
دیواروں پر کچھ تصویریں بھی تھیں دو تین چھوٹی سی خوبصورت کھڑکیاں۔
ان کے سامنے کچھ دھوپ۔ یہ ٹہل رہے تھے۔ اکیلے بیٹھے رہتے
تھے۔ اور گھر کا کوئی آدمی پاس نہ رہتا تھا۔ اس ماحول سے میرے
اوپر ایسا سکون طاری ہو گیا کہ میں خود کو کھو بیٹھا کوئی ہوش ہی نہیں تھا
کہ کہاں ہوں۔ تھوڑی دیر میں صاحب آ پہنچیں۔ گھر کا کوئی سامان لیئے

بازار گئے تھے۔ ان کو جب بظاہر کنبہ پرور اور دنیاداری میں اپنے
سے زیادہ غرق پایا تو کچھ سمجھ میں الجھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ ایسے بھی
ہو سکتا ہے مگر ان کی مقناطیسی شخصیت میں اتنی کشش تھی کہ
جلدی ہی سنبھل گیا اور وہ پورے احترام کیا تھا۔ دوست کے ہمراہ ان
کے سامنے بیٹھ گیا۔ تب کچھ چائے آئی۔ انتہائی محبت
اور خلوص سے ملے۔ کچھ ہی باتیں ہوئیں۔ خیریت پوچھی۔ ملازمت
کے بارے میں معلوم کیا۔ اور بچوں کے بارے۔ کیسی ہستی اور تھوڑی
دیر میں رخصت کیا۔ رخصت ہوتے ہوئے ہمارے ساتھ چل پڑے
پورے باہر والے پھاٹک تک۔ کافی گھل مل ہو گئے ایسا لگ رہا
تھا کہ جیسے پہلی ملاقات نہ ہو۔ جیسے خاص اپنوں سے ملے۔ دل
کو کافی تسکین حاصل ہوئی اور واپس روانہ ہوئے۔

اس کے بعد بھائی جی (جیسے ان کو ہم پیار سے بلاتے
ہیں) سے کئی بیٹھکیں ہوتی رہیں۔ ایک بار جب ہم بیٹھے تھے تو
ایک اور صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ ہاتھ میں تار لئے ہوئے
لکھا تھا کہ ان کا لڑکا جو رہتک میں کسی کالج میں بی کام کا کورس

کر دیا تھا ایک ہفتہ سے لاپتہ ہے۔ بھائی جی نے ان صاحب کو
تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ لڑکا اچھا بھلا ہے
اور ٹھیک راستے پر لگا ہوا ہے آپ پر بوجھ نہ بنا رہے گا۔ اس کو
میرے پاس ہی آنا ہے۔ آپ آج ہی رشی کیش چلے جائیں پتہ ملیگا
اسکو سامان سمیت میرے پاس لائیے۔ لڑکا ... نے چھوڑ کر نگران
رانچیش جی کے آشرم تب رات تو نا میں چلا گیا تھا۔ اسے باپ نے
واپس لایا اور بھائی جی کے حوالے کر دیا۔ ملازم ہوا۔ اور وہ بھی ہمارے
دفتر میں۔ شادی ہوئی گھر بسر ہو رہی ہے اور بھائی جی کے پاس رہ کر
اسے ایسی منزل حاصل ہوئی کہ جسم خاکی سے باہر آسکتے ہیں۔ اور پھر
داخل ہو سکتے ہیں وہ اب ان کے پرستار خصوصی ہیں۔ اور ان کی صحبت
میں رہ کر بھائی جی کی کافی خدمت کرتے ہیں یہ دیکھ کر میں متاثر ہوا۔
اس طرح سے کئی اور نشستیں ہوئی اور ہر بار کچھ نہ کچھ فیض حاصل ہوتا رہا
اور بہت سے حقائق ذاتی مشاہدے میں آئے جو کہ کشف و کرامات
سے کچھ کم نہیں۔ ان نشستوں کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور نئی نئی
باتیں سامنے آتی ہیں جن کا ذکر کرنا اس چھوٹے سے بیان میں بے محل ہے

ان کے گھر پہ عزیزوں کا تانتا لگا رہتا ہے۔ صبح سے شام تک شری
بھائی جی اپنے عزیزوں سے انتہائی خلیقی سے پیش آتے ہیں گویا ہر ایک
گلدستہ ہو۔ چہرے پر چوڑی مسکان سے آؤ بھگت کرتے ہیں اور
بڑے اشتیاق سے اپنے سامنے بٹھلاتے ہیں۔ ہاتھ ملاتے ہیں۔
خیر و عافیت دریافت کرتے ہیں۔ چائے پلاتے ہیں پوچھ تاچھ کا
جواب دیتے ہیں۔ پریشانی کی حالت میں دلاسہ دیتے ہیں۔ اور خوشی
خوشی رخصت کرتے ہیں گویا آپ کسی روحانی شخصیت سے نہ ملے ہوں
بلکہ ایک قریبی رفیق سے۔ آدمی پورے سکون و شانتی سے گھر چلا
جاتا ہے اور کچھ ہی دنوں میں اپنی آرزو پاتا ہے۔

بھائی جی اپنے وقت کے ایک اچھے نامور کشمیری پنڈت
گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی پیدائش جنوری ۱۹۲۴ء۔ مہا شیو
چتردشی رات کو اپنے آبائی مکان واقع زینہ کدل شہر سرینگر میں ہوئی۔
مرحوم پروفیسر جیالال کول ناظر کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ مرحوم ناظر
صاحب کشمیر میں کسی تعارف کے محتاج نہیں مانے ہوئے معلم
اور قدرداں مورخ تھے۔ چنانچہ یہ سلسلہ ملازمت پروفیسر صاحب

کو شہر سرینگر میں ٹھہرنے کا موقع کم ہی ملتا تھا لہٰذا بھائی جی ابتدائی پرورش و تعلیم ان کے شفیق دادا پنڈت ریشہ کول اور چاچا پنڈت شنبھو ناتھ کول کے زیر سایہ ہوئی۔ دونوں صاحبان خوش ذوق و خوش نیک زبان تھے۔ دادا صاحب ایک مشہور قلندر لسہ منو کے چیلہ خاص تھے اور چاچا حال کے بھگوان گوپی ناتھ کے بڑے گرو بھائی تھے۔ لہٰذا بھائی جی کا رنگ فطرت بچپن سے ہی قلندرانہ روایات و جذبات سے بھرتا ہوا آرہا ہے۔ سرینگر شاید ہی کوئی صاحب کمال ہوگا جن کے پاس بھائی جی کا آنا جانا یا اٹھنا بیٹھنا نہ رہا ہو اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

سری پرتاپ کالج سے بی۔ ایس۔ سی۔ کی ڈگری لینے کے بعد ڈرگ ریسرچ لیبارٹری جموں میں ملازم بھرتی ہوئے اور غیر معمولی قابلیت کی بنا پر ایک اعلیٰ سائنسدان کے عہدے سے ۱۹۶۹ء میں پنشن لی۔

بھائی جی ایک عجیب و غریب وضع کے آدمی ہیں۔ ظاہری طور طرز عام گریلو ہے۔ روزمرہ کا کاروبار بھی بالکل دنیاوی

ہے۔ مزاج مگر درویشانہ ہے اور خیالات قلندرانہ اور باگیانہ ہے
بولنے کا انداز معمولی مگر کوئی بھی بات خالی از معنی نہیں ہوتی ہے۔
بالطبع عیش پسند ہوتے ہوئے بھی انہیں قناعت کا عنصر موجود ہے
تعریف و توصیف کی کوئی خواہش نہیں اور نہ نکتہ چینی یا بُرا بھلا
سننے کی پرواہ ہے جو کہ زندہ اللہ انداز زاہدی کا عادی ہو زندگی بسر کر رہے
ہیں۔

اردو و انگریزی زبان میں غیر معمولی استعداد رکھتے ہیں دونوں
زبانوں میں لکھ بھی سکتے اور لکھتے بھی رہتے ہیں مگر سب بکھرا پڑا ہے
کچھ ایک اخبار میں ہیں اور کچھ کہیں۔ چھپوانے کی طبیعت ہی کچھ
ہچکچاتی سی ہے۔ یہ ترجمہ ان کے لخت جگر راجندر جی سے میں نے ان کی
غیر حاضری میں لیکر چھاپ دیا ہوں صرف اس وجہ سے کہ اردو زبان
میں آج تک اس فلسفہ حیات کے متعلق کچھ نہیں لکھا گیا ہے۔ ہندی زبان
میں اس منتر کے بہت سے ترجمے دستیاب ہیں لہذا انہیں ایک اور کا
اضافہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ بھائی جی شاعر بھی ہیں۔ کشمیری میں دنیا
سے بارہ نظمیں لکھی پڑی ہیں۔ یہاں پر تین قطعوں کا اردو ترجمہ دیکھیے

ختم کر دینا ہوں! کہتے ہیں ۔

ناظر نے تمہیں بھاگو اڑنے کی کوشش کرتے دیکھا۔

کچھ اندھے تھے کچھ تعبیر بدل گئے۔

کچھ کہتے تھے وہ اپنے سانس کی گرمی سے چاول پکا دیتے ہیں

کوئی تو تمہیں تمہارے بیچاری لکڑی جلا کر کہاں گئی چاول ہم سے پک نہ پائے۔

ناظر ایک راز کی بات آپکو کہے دیتا ہے۔ اسکو سوچ لو ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے

آپ کچھ بھی نہ کھو بیٹھے ہیں

جو چیز آپ ڈھونڈ رہے ہیں وہ آپ خود ہیں

اسکے علاوہ آپ کو اور کیا کہوں۔

ناظر نے محبت کا سودا بہت سستا لیا

مگر اب بہت مہنگا معلوم پڑتا ہے

بیچنے کو جی کرتا ہے مگر کیا کروں

درد تو ہے مگر اسکے بغیر زندگی کا کوئی مزا نہیں

آپ کا دعا گو
آر۔ این۔ رینہ — سونہ وار
سرینگر



سوامی گوبند کول صاحب جلالی

سنہ ۱۸۸۸ء سے سنہ ۱۹۵۶ء

ان کی پیدائش عالی کدل سرینگر میں شری کرشنہ کول جلالی کے ہاں ہوئی۔ تین بھائیوں میں یہ سب سے چھوٹے تھے ان کے بڑے بھائی شری آفتاب کول منتر ودیاں میں ماہر تھے اور انہوں نے ہی دونوں بھائیوں کو سوامی رام جی کے ہاں بچپن سے ہی لانا شروع کیا۔ سوامی جی کی صحبت میں رہ کر انہوں نے ساری شو ودیا پڑھ کر مہارت حاصل کی یہ ایک گرہستی سادھو تھے۔ مگر پھر بھی گرہست سے علیحدہ ہی رہتے تھے ہر روز ۱۲ سے ۵ بجے تک سوامی رام جی کے آشرم میں رہتے تھے اور کبھی ہفتہ بھر آشرم میں ہی ٹھہرا کرتے۔ یہ اپنے ودیارتھیوں کو ہر وقت ابھیاس میں رہنے کی تعلیم دیتے تھے۔ چاہے وہ کسی کام میں لگے ہوں۔

ودیارتھیوں کو شو شاستر پڑھاتے اور سمجھاتے تھے۔ لوگوں کو کھانا کھلانے میں بہت خوش رہتے تھے۔ آج کل بھی ان کا جنم دن اور یوم رحلت بڑی عزت سے منایا جاتا ہے۔ جبکہ لوگوں کی کثیر تعداد کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔



سوامی رام جی صاحب

سنہ ۱۸۵۵ء - سنہ ۱۹۱۵ء

سوامی جی کی پیدائش قاضی یار حبہ کدل سرینگر میں شری شکدیو جی مہاراج کے ہاں ہوئی۔ ان کے چاچا شری ایشر صاحب اونچے مرتبہ کے یوگی تھے انہوں نے سوامی جی کو بچپن سے ہی روحانیت کی طرف مایل کیا انہوں نے اپنی تعلیم و تربیت شری منا رام جی مونگر واقع آغا حمام سے حاصل کی اور روحانیت میں ماہر ہو گئے ان کے کرامات کا چرچا ہر کشمیری کی زبان پر ہے۔ ہر مذہب و ملت سے وابستہ لوگ ان کے ہاں آیا کرتے تھے۔

سوامی جی ایک گرہستی سادھو تھے ان کا عیال انکے حیاتی میں ہی فوت ہوا۔ ان کے گھر قاضی یار میں آگ لگنے کے ابد سوامی جی نے اپنی رہائش فتح کدل میں اختیار کی جو آج تک ان کے نام پر آشرم کی صورت میں موجود ہے۔ ان کے شسٹوں میں سے تین سب سے زیادہ مشہور تھے۔ جنکے اسم گرامی ہیں سوامی مہتاب جی، سوامی گوبند کول جی اور سوامی وودھیادھر جی۔ سوامی مہتاب جی نے اپنے مرشد کے بعد آشرم کا کام سنبھالا اور ان کے بعد سوامی گوبند کول جی نے یہ آشرم آجکل بھی چل رہا ہے اور یہاں پر سوامی جی کا جنم دن اور سورگباش دوس دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔